سالانہ قیمت ۔۔

رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۹

نورافشاں

[illegible]

[illegible]

حقیقی نور وہ تھا جو دنیا میں آکے ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے

جلد ۵	ہفتہ وار بروز جمعہ لاہور سے شائع ہوتا ہے ۲ جون ۱۹۲۲ء	نمبر۲۲

غزل برنگ صوفیانہ

[illegible]

عشرت

[illegible]

مساوات اور رحم دلی

[illegible]

ایک روپیہ کے نوٹ بند ہو جائینگے

[illegible]

ایک عجیب اندھی لڑکی

ملک امریکہ کے ایک شہر جینزول میں ایک اندھوں کا سکول ہے جس میں ایک جوان اندھی لڑکی رہتی ہے جس کا نام ویلیا گلس ہے۔ یہ لڑکی پیدائش کے وقت سے اندھی یا بہری نہ تھی اور مدت تک بخوبی دیکھ سکتی تھی اور سن سکتی تھی لیکن اب بالکل اندھی اور بہری ہے۔ اس کو اندھا ہوئے تقریباً ایک سال ہوا ہے اور یہ تعجب کی بات ہے کہ اس وقت سے یہ نہایت تیز فہم چالاک ہو گئی ہے اور نہایت بشاش نظر آتی ہے۔ حالانکہ قبل ازیں نہایت کند ذہن ترش رو اور غمگین رہتی تھی۔ ویلیا کی قوت سامعہ و باصرہ کے زائل ہونے سے اس کی زندگی میں ایک عجیب تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ گو اس کی قوت سامعہ بالکل بیکار ہے۔ لیکن بہت سے سننے والوں کی نسبت بغیر کسی آلہ کی مدد کے بآسانی سن سکتی ہے۔

اس لڑکی کی آنکھیں بالکل بے نور ہیں لیکن وہ ہر قسم کے رنگوں کو بآسانی اور صحت کے ساتھ شناخت کر سکتی ہے جس طرح کہ کوئی مصور یا رنگریز کہہ سکتا ہے۔ وہ درختوں کے جھنڈ میں سے بغیر کسی کا ہاتھ لگائے گزر سکتی ہے اور اپنی کسی واقفکار کو دور ہی سے پہچان سکتی ہے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ سپرنٹنڈنٹ نے ویلیا کی ملاقات چند مستورات سے کرائی اور ویلیا کے ہاتھ میں ایک مس صاحبہ کا کپڑا دے کر کہا کہ کیا تم اس کا رنگ بتا سکتی ہو؟ ویلیا اپنے گھٹنوں کے بل کھڑی ہو گئی اور اس کپڑے کو دیر تک سونگھتی رہی اور بلا تامل جواب دیا کہ کپڑے کا رنگ کالا نیلا اور سفید ہے۔ اس کپڑے کا نام پلیڈ تھا جو ایک قسم کا چارخانہ ہوتا ہے اور جس کے رنگوں کو اس لڑکی نے درست شناخت کیا تھا۔ ایک دفعہ سپرنٹنڈنٹ نے اس لڑکی کی آنکھوں کو ایک دردوزی کی بنی ہوئی چھوٹی سی بتی لگا کر پوچھا کہ اس کا کیا رنگ ہے جونہی کہ اس نے بتی کے ایک رخ کو چھوا فوراً بول اٹھی کہ اس کا رنگ سبز ہے۔ پھر سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ ہمارے خیال میں اس بتی کا صرف ایک ہی رنگ ہے۔ اس سوال کو سنکر لڑکی کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے یہ خیال کر کے کہ شاید اس دفعہ اس سے غلطی ہو گئی ہے دوبارہ اس بتی کو ہاتھ میں لیکر وہ کچھ دیر تک سونگھتی رہی اور کہا کہ اس کے کناروں پر کسی قدر کالے سوت سے کام کیا ہوا ہے۔ اس کا یہ جواب بالکل درست تھا کیونکہ اس بتی کے ان رخ پر نہایت باریک سیاہ کام ہو رہا تھا۔ جس کو کوئی شخص اچانک دیکھ کر تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ بعد ازاں سپرنٹنڈنٹ نے مس صاحبان سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ بھی ویلیا سے اگر چاہیں تو سوال کر سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا کہ ویلیا جب کبھی تم باہر جاتی ہو تو ان گھنے درختوں سے جو تمہارے صحن میں آگے ہوئے ہیں ٹکرا تو نہیں جاتیں؟ اس پر یہ لڑکی کھل کھلا کر ہنس پڑی اور کہا کہ کبھی بھول کر بھی ایسا موقعہ نہیں ہوا۔ میں تو ان کو بخوبی سونگھ یا دیکھ سکتی ہوں۔ وہ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے وہ اپنے مہمانوں سمیت باہر چلی گئی وہاں اس کا امتحان شروع ہوا۔ ایک مس صاحبہ نے اس کا رخ درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف کر کے کہا کہ اب بالکل سیدھی چلی جاؤ لڑکی نے بھی جب مس صاحبہ کے ارشاد کے ایسا ہی کیا۔ چونکہ اس کی سیدھ میں ایک بڑا درخت تھا۔ اس لئے یہ مہمان کسی قدر متفکر ہو کر سوچنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لڑکی اس درخت سے ٹکرا جائے لیکن جونہی کہ وہ اس درخت سے تین فٹ کے فاصلہ پر پہنچی تو ایک طرف کو مڑ گئی۔ اس کے بعد سپرنٹنڈنٹ نے دو اور مس صاحبان کو جو سڑک پر سے گذر رہی تھیں آواز دے کر بلایا جونہی کہ وہ قریب آپہنچیں ویلیا نے ان کو فوراً پہچان لیا۔ اس کے بعد یہ سب کمرہ میں جا کر بیٹھ گئیں اور بات چیت کرنے لگیں کہ ایک بلی ٹرپ کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ ان میں سے ایک مس صاحبہ نے ویلیا کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا کہ بتاؤ کہ ہمارے سوا اس کمرے میں اور کون ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بلی ہے لیکن جواب کچھ اس طرح سے دیا کہ گویا یہ سوال ہی فضول تھا۔ حالانکہ یہ تمام مہمان باتوں میں مشغول تھے اور کسی کا خیال بھی بلی کی طرف نہ تھا وہ بلی باہر نکل گئی۔ ان میں سے کسی نے بھی اس کو جاتے نہ دیکھا۔ لیکن اس آنکھوں کی اندھی اور کانوں کی بہری لڑکی نے معلوم کر لیا کہ بلی باہر چلی گئی ہے۔ جس کی ذکی قوت شامہ آنکھوں کا کام دیتی ہے۔ ایک اور مس صاحبہ نے ایک سفید پھول اٹھا کر کچھ فاصلے سے ویلیا کو دکھا کر پوچھا کہ بتاؤ اس کا کیا رنگ ہے۔ اس نے جواب دیا سفید ہے۔ پھر سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ ویلیا کو تقریباً ہر ایک قسم کے رنگوں میں امتیاز کر کے تمیز کرتی رہتی ہے اور اس کی قوت باصرہ روز افزوں ترقی پر ہے۔

ویلیا اس مدرسہ میں ستمبر ۱۹۲۱ء کو داخل ہوئی اور جس قدر کہ اس کے علاج میں کوشش کی گئی اسی قدر اس کی قوتیں دن بدن زائل ہوتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ اس لڑکی کو سینے پرونے کا از حد شوق ہے (دیکھئے صفحہ ۱۱)



نور افشاں

مطبوعہ - ۲ جون ۱۹۲۲ء

انگلستان کی نومسلمات اور پردہ

معاصر پیغام صلح لکھتا ہے کہ معاصر نور افشاں نے اپنی ۱۳ اپریل کی اشاعت میں ہمارے ۲۰ مارچ کی اشاعت میں سے انگلستان میں کیا دیکھا کا حوالہ دیتے ہوئے ایک سوال ہم سے کیا ہے جو بلفظہ حسب ذیل ہے۔

ہم اس مقام پر اپنے معاصر سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں امید ہے وہ اس کا جواب دیگا۔ سوال یہ ہے کہ جو انگریز مستورات اسلام قبول کرتی ہیں وہ پردہ کرتی ہیں یا نہیں؟ مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بے پردہ مردوں سے گفتگو کرتی ہیں۔ بجائیکہ اسلام کی تعلیم کی رو سے غیر مردوں سے ہمکلام ہونا سراسر ناجائز ہے اور بہتر گناہ کے ہے۔ اس صورت میں ان کا مسلمان ہونا کیا معنے رکھتا ہے۔ ایک محرم راز نے ہمیں یہ بھی بتلایا کہ جو مسلمان مبلغ یورپ میں جاتے وہ وہاں جاکر پردہ کی اہمیت پر زور نہیں دیتے ہم اس امر کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ الخ۔

پیغام صلح کا جواب۔ رہا پردہ کا سوال سو اس کے ہم اس قدر کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ پردہ جو ہندوستان میں رائج ہے۔ حقیقی اسلامی پردہ نہیں۔ پردہ کی حدود جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ان میں چہرہ اور ہاتھوں کا ڈھانپنا ہرگز شامل نہیں اور اسی پر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا عمل رہا ہے۔

نور افشاں۔ یہ صاحب اپنے مرشد ملا کر علم القرآن دالا سلام کے سوا بہت کچھ رہ گئے ہیں مگر انہیں بنیادی نعمتوں سے محروم کر گئے ہیں ابھی کل مولویوں کی زد ذہنوں پر پیغام صلح کا فرض کیا تو اس میں حق پوشی کے سوا کچھ نہیں پایا۔ آپ نے انگلستان کی نومسلمات کے پردہ کی بابت پوچھا گیا تو اس میں بھی اختلاف حق سے کام لیا گیا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد کہ پردہ کی حدود جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ان میں چہرہ اور ہاتھوں کو ڈھانپنا ہرگز شامل نہیں قرآن دانی کا عجب ثبوت ہے۔ اگر آپ یہ کوئی پوچھ بیٹھے کہ چہرہ اگر نہ ڈھانپنا اسلامی پردہ نہیں ہے تو اور بھی بات ہی ہے؟ تو اسلامی پردہ کیا ہے؟ تو پھر کیا جواب ہوگا؟ اگر آیہ کریمہ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ پر غور کر کے پوچھا کر یہاں پردہ کے معنے منہ ہاتھ اور تمام جسم کو چھپانے کے سوا ہیں۔ اس پر وہ ہے کہ یہ پردہ دالوں کا ہی ہے تو آپ کون سے قرآن سے ہاتھ منہ کو ننگا رکھنے کا نام پردہ ثابت کرینگے؟ کیا یہ موجودہ قرآن نہیں ہے؟ وہ تو تمام جسم کو چھپانے کا نام پردہ رکھتا ہے۔ لہٰذا پیغام صلح کا خیال بے بنیاد ہے۔ اب اصل سوال کا جواب دینا چاہیے کہ انگلستان کی نومسلمات بغیر پردہ کے کیوں رہتی ہیں؟

ٹکٹ کی قیمت

پیرس میں ایک پوسٹ کارڈ کا ٹکٹ ۳۰ لاکھ روپیہ میں فروخت ہوا یہ ٹکٹ ۱۸۵۶ء کا برٹش گائنا کا ہے۔ خوب قیمت پائی۔

تقریظ

فردوس باز یافتہ

ملٹن کی مشہور کتاب پیراڈائز ری گینڈ کا دوسرا حصہ

جس کو مسٹر بینجمن جون صدا نے اردو کا جامہ پہنا کر مثنوی کی صورت میں منظوم شائع کیا (مرقومہ وا عظ)

انگریزی کے مشہور قابل عزت شاعر ملٹن کی تصنیف کسی تعریف کی محتاج نہیں۔ انگریزی خواں کو نسا ہے جس نے اس کو نہ پڑھا ہو۔ لیکن ہم اردو خواں تھے۔ جو اس سے محروم تھے۔ مگر مسٹر صدا کی مہربانی سے ہمارے نصیب بھی جاگے کہ ہم اس مضمون سے تو واقف ہوگئے۔ شاعری کا لطف نہیں اٹھا سکتے۔ تاہم ہماری حالت کے مطابق مسٹر صدا نے ہم کو یہ کتاب منظوم ہی عنایت کی ہے۔ بڑی محنت و جانفشانی سے انہوں نے اس کو صرف اردو کا جامہ پہنایا ہے بلکہ منظوم۔ اس کا پہلا حصہ فردوس گم شدہ عرصہ ہوا کہ چھپا تھا۔ اب اس کا دوسرا حصہ اس مثنوی کے وزن پر جس پر پہلا حصہ شائع ہوا تھا شائع کیا ہے جنہوں نے پہلا حصہ دیکھا ہے وہ مسٹر صدا کی محنت کی داد دینگے اور ان کو اس کے دوسرے حصے کے دیکھنے کا شوق ضرور دامنگیر ہوگا۔ کیونکہ دوسرے حصے کے بغیر پہلا حصہ بالکل ادھورا ہے۔ اس دوسرے حصے میں شیطان کا بڑے معرکہ کا جنگ ہے۔ پہلے حصہ میں آدم و حوا کی شکست کا ذکر ہے۔ جس کا ذکر ہونے کی آگاہ میں ہے۔ اس دوسرے حصہ میں جنگ [illegible]

ہے۔ مگر اس کا بیان انجیل کے مطابق خداوند کے بپتسمہ پانے کے بعد جو واقعہ جنگل میں گذرا اور جو ماجرا شیطان نے کھیلے اور کس طرح خداوند یسوع نے اُس کو شکست دی۔ دیکھنے کے قابل ہے۔ آدم جو شکست کھا گیا فردوس کا گم ہو جانا تھا خداوند یسوع مسیح کا شیطان پر فتح پانا فردوس گم شدہ کا حاصل کرنا ہے۔ مثنوی کا مضمون آفرینش کے قربان۔ بہت اچھی طرح سے اُس نے اس جنگ کو بیان کیا ہے۔ اور مسٹر صدا نے بھی ترجمہ اور نظم دونوں باتوں میں اچھا حق ادا کیا ہے۔ اس کتاب میں ۳۰۵ اشعار ہیں۔ چار باب ہیں۔ جن میں ہر ایک آزمائش کا الگ الگ جنگ ہے۔ آخر شیطان کا بھاگ جانا بہت مزیدار بیان ہے ناظرین ضرور منگوا کر دیکھیں۔ مجھے امید ہے کہ خود ایڈیٹر نور افشان بھی اس پر کچھ تحریر فرما دینگے جس کتاب کی مسٹر شرر جیسے قابل ناظم ناثر مصنف تعریف کریں اور زیادہ کیا کہا جائے

اس کتاب کا دیباچہ مولانا عبدالحلیم شرر صاحب نے لکھا ہے۔ پہلے حصہ کا دیباچہ بھی انہوں نے تحریر کیا تھا۔ اس دیباچہ میں مولانا موصوف نے مسٹر صدا کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈالی ہے مسٹر صدا کا مسیحی ہونا۔ عدالت میں مقدمہ ہونا مسٹر صدا کا مسیحیوں کے سپرد ہونا۔ وہاں سے بٹالہ سکول میں داخل ہونا۔ وغیرہ وغیرہ حالات درج ہیں۔ ہم پنجابیوں کے واسطے یہ فخر کی بات ہو کہ مسٹر صدا بٹالہ بیرنگ ہائی سکول کے پیرنگ ہیں اور بابو سنگھ صاحب اور مسٹر [illegible] صاحب کے حضور زانوئے شاگردی تہ کی ہوئی ہے۔ اس کتاب کی نسبت مولانا شرر صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مثنویاں مذہبی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ پہلی میں اسرائیلیت ملی ہوئی مسیحیت تھی اور دوسری میں خالص مسیحیت۔ پہلی کتاب زیادہ تر عہد عتیق یعنے توریت وغیرہ دیگر سابقہ کتب سماوی سے ماخوذ تھی اور یہ زیادہ تر عہد جدید یعنے انجیل سے ماخوذ ہے۔ پہلی میں روحانی شیطان کا مقابلہ اور فردوس کا انسان کے ہاتھ سے چھن جانا تھا اور اس دوسری میں حضرت مسیح کے طفیل میں شیطان کا شکست پانا اور انسان کا پھر جنت کو پا لینا۔ اس دوسری مثنوی کے بغیر پہلی مثنوی ناقص تھی۔

ہم مسٹر صدا کے دل سے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے یہ تصنیف کر کے مسیحی لٹریچر میں اچھا اضافہ کیا ہے۔

یہ کتاب مکھن تیاگا ڈاس مسٹر صدا ڈپٹی انسپکٹر مدارس اور

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور

سے بقیمت ۸ ملسکتی ہے۔ واعظ

عیسائی مذہب اور گورے لوگ

اسی عنوان کے تحت نور افشان مطبوعہ ۱۲ مئی سنہ رواں میں کسی معزز نامہ نگار و ناظرے استدعا کی گئی ہے کہ اس کا مناسب جواب لکھے۔

میں اگرچہ ان نامہ نگاروں کی فہرست میں نہیں آسکتا جو معزز کہلائے جانے کے مستحق ہیں تاہم ایک نہایت عاجز و خاکسار کی حیثیت سے جرات کرتا ہوں کہ کچھ عرض کروں ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اول میری رائے میں بجائے عیسائی مذہب کے عیسائی سوسائٹی یا جماعت اور گورے لوگ لکھنا تھا زیبتر تھا کیونکہ مذہب کے نقطۂ نظر سے ہی جہان ہوتا ہے کہ یہ کالے اور گورے کا فرق گویا خود خداوند یسوع مسیح کی طرف سے ہے۔ لیکن راقم مضمون مذکور خود اعتراف کرتا ہے کہ خدا کی جنت میں بھی ایسا ہی فرق ہے۔ کیا حضرت مسیح نے کبھی ایسا آدیش دیا تھا کہ ایشیائی اور حبشیوں کو دوسری اور سفید رنگوں کو دوسری جنت ملیگی؟

پس ضرور نہیں کہ مقدس انجیل سے ثابت کریں کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے تاہم ایک آیت پیش کرتا ہوں جو خود ربنا مسیح نے نقیدیمس سے بیان کی کیونکہ خدا نے جہان کو جس میں بر اعظم ایشیا یورپ امریکہ افریقہ آسٹریلیا سب شامل ہیں ایسا پیار کیا کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخشا تاکہ جو کوئی کالا گورا اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔ مقدس پولس رسول فرماتا کہ تم سب جتنوں نے کالے ہوں خواہ گورے مسیح میں بپتسمہ پایا مسیح کو پہن لیا نہ یہودی ہے نہ یونانی۔ نہ غلام نہ آزاد نہ مرد نہ عورت کیونکہ تم سب مسیح میں ایک ہو۔

لیکن خدا کا مقدس روح جب کسی کے دل کو چھوتا ہے تو نہ کالا گورا ہو سکتا ہے اور گورا کالا ہو جاتا ہے اور نہ مرد عورت بن جاتی ہے اور نہ عورت مرد بنجاتی ہے۔ غرض صرف نجات سے ہے۔

اب رہی یہ بات کہ کیا حکومت ہند کے گرجاؤں میں کبھی کوئی یوروپین یا ہندوستانی پادری مقرر کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی اپنی سوسائٹیوں کے طرز اور ڈھب مختلف ہوتے ہیں۔ سو قبل حالات میں ایک دوسرے سے اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ پورب اور پچھم میں۔ انگریز پادری انگریزی جماعت کے طریق سے ہم جنسیت کا تعلق رکھتا ہے۔ جیسے کالا پادری کالے رنگوں کا مزاج آشنا ہوتا ہے۔ اس سبب سے کہ باعتبار گوشت و خون ایک دوسرے میں گویا ایک ہیں

مختلف انتظام میں گر پڑنے کا احتمال ہے۔

اوائل میں جب گوری فاتح قوم ہندوستان میں داخل ہوئی تو ان کے گورے پادری بھی مذہبی رسم یا عبادت۔ بپتسمہ۔ عشاء ربانی۔ شادی۔ دفن وغیرہ کے ادا کرنے کے لئے ان کے ساتھ آئے۔

چونکہ برٹش گورنمنٹ نے سلطنت مغلیہ سے ہندوستان کی حکومت حاصل کی تھی تو اس سے کہ تین باتیں ضروری یاد رکھیں اور وہ یہ ہیں۔

اول کہ شاہی خاندان کے ممبر کوئی ایسا عہدہ نہ دیا جائے جس میں وہ خود مختار ہو۔ ورنہ تو تخت ہو کر رہے گا۔

دوم۔ مفتوح رعایا کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرنا۔

سوم۔ ان سے بہت خلا ملا نہ رکھا جائے۔

پس تیسری بات میں وہ یہاں تک ترقی کر گئے کہ مزید احتیاط اپنا گرجا اپنا قبرستان سب کچھ الگ کر لیا۔ اس سبب سے کہ مسیح میں کچھ فرق ہے بلکہ اس خیال سے کہ کہیں انہیں کی خوبو ان میں سرایت نہ کر جائے۔ اور کل کو ہندوستان میں ان کی حالت بھی وہی ہو جو شاہان مغلیہ کی اولاد کی ہوئی۔ جب سلطنت جاتی رہی۔

میں نے سنا ہے کہ ہر ایک گورے سویلین ملازم سے بوقت ملازمت یہ عہد کر لیا جاتا ہے کہ ہر آٹھویں برس کم سے کم ۸ مہینہ کے لئے اپنے اصلی وطن انگلستان کو جایا کرے۔ تاکہ انگریزی نقطہ نظر سے جو کچھ ذہنیت جو ہیں غلول کر گیا ہے خارج ہو کر پھر وہی اصلی مادہ بدن کا حصہ بن جاوے۔ اور یہ بھی کہ جب پنشن کا وقت آئے تو انگلستان ہی میں بودوباش اختیار کرے۔ ان کی دیکھا دیکھی ہمارے امریکن مشنری صاحبان بھی دیسی بیٹے کالے مسیحیوں سے

الگ تھلگ رہنے لگے۔ اور سوائے عبادت اور خاص خاص فرائض کے انجام دہی کے جو بعیض ملازمت مشن کے کالوں سے ملنا جلنا پڑتا ہے۔ ان کو زیادہ منہ نہیں لگاتے اور اپنے بال بچوں کو کالوں کے بچوں میں کھیلنے نہیں دیتے۔ ان باتوں کی مذہب سے کوئی نسبت نہیں۔

گو ابھی اتنا فرق تو نہیں ہے جو راقم مضمون نے دکھایا ہے۔ کیونکہ مجھے بھی اکثر گوروں کے ساتھ خواہ وہ مشنری ہوں خواہ ملازمان گورنمنٹ ایک ہی میز پر کھانا کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔

لیکن تکلیف اس میں صرف یہی تھی کہ جس صفائی کے ساتھ چھری کانٹے اور کانٹے کے سہارے سے کھاتے ہیں میں معذور تھا۔ کبھی عذر کر کے ان سے الگ کر اسی ہندوستانی طریق پر جو ہم کالوں کا ہے کھانا کھایا۔

میں نے کبھی ان کے برتاؤ میں وہ فرق نہیں دیکھا جو دکھایا گیا ہے۔

کیا ہم کالے مسیحی بھی اپنے کالے غیر مسیحیوں کے بچوں کے ساتھ اپنے بچوں کو کھیلنے سے نہیں روکتے تاکہ ان کی وہ بری عادتیں مثلاً گالیاں بکنا یا جھوٹ بولنا وغیرہ الغرض ان میں اثر نہ کر جائیں۔

پس میری رائے میں ہم کالے گورے سب ایک ہیں کس بات میں۔

مسیح میں۔ امید میں۔ ایمان میں۔ مسیح میں نجات میں۔

ہم ایک ہی خدا سے دعا مانگتے ہیں۔ مگر گورے گوری زبان انگریزی میں اور کالے کالی زبان دیسی میں۔ مطلب ایک ہی ہے۔

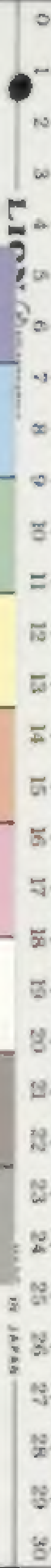
راقم - کیدار ناتھ سنت از کانپور۔

مسیحی سادھو

ایک مسیحی سادھو کا گجرات پنجاب میں آنا اور کچھ کام پیشتر ازیں کہ میں سادھو جی کا کچھ حال بیان کروں بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ کے حالات سابقہ کو مختصر طور پر بیان کروں۔ آپ بھائی فضل الٰہی قوم گوندل جاٹ پنجابی مسلمان موضع جنڈ انوالہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات مولانا مولوی محمد دین صاحب ہیڈ ماسٹر پرائمری سکول کے صاحبزادے ہیں جو سکاچ مشن ہائی سکول گجرات فورتھ ہائی یعنی نویں جماعت میں جو کلکتہ یونیورسٹی کی سکنڈ کلاس شمار کی جاتی ہے داخل ہوئے۔ یہ ۱۹۱۸ء کی بات ہے۔ بھائی صاحب فضل الٰہی مسیحی دین کی اشد مخالفت کیا کرتے تھے۔ مگر فورتھ ہائی پاس کرنے کے بعد ان کے دل میں معمول سے زیادہ تبدیلی ہو گئی تھی یعنی کہ وہ مسیحی دین کی طرف راغب ہو گئے۔ ۱۹۱۹ء میں فقتھ ہائی سے سرٹیفکیٹ لے کر بھائی صاحب وزیر آباد جوبلی ہائی سکول میں داخل ہوئے۔ وہاں پر خداوند نے آپ کے دل کو ایک اور بھی بہتر طریق سے تبدیل کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔ ۱۹۲۰ء ہی میں بوجہ سخت بیمار ہونے کے سکول چھوڑ دیا۔

نوٹ۔ یاد رہے کہ مسیحیت کا بیج مشرا ڈمن بائبل ٹیچر سکاچ مشن ہائی سکول کا بویا ہوا تھا اور اس بیج کو محبت اور عمدہ طریق سے کھاد ملی تھی ملازمت اور ملازمت کے ایام میں مسیحی ہونا

اسی سال ۱۹۲۰ء ماہ جولائی میں پلٹن ۲۴/۱ پنجاب ۹ آگرہ میں بھائی صاحب ڈبل کمپنی میں کلرک بھرتی ہو گئے۔ جہاں پر ان کے دل کو خداوند یسوع مسیح نے پورے طور پر تبدیل کیا۔ یعنی



آپ نے ۱۰ مئی ۱۹۱۰ء کو برگیڈ میجر ڈبلیو ایف بیٹ صاحب آنریری منسٹر کے مبارک ہاتھوں سے بپتسمہ حاصل کیا اور یوں سے فضل الٰہی کے اپنا نام بھی لکھوا لیا۔ اسی اثنا میں آپ نے پنشن ہی میں منادی کرنی شروع کر دی۔ بعد ازاں آپ نے ۱۰ فروری ۱۹۱۸ء کو ملازمت کو ترک کر دیا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی آپ کو ملازمت کا موقع ملتا رہا۔ مگر قبول نہ فرمایا۔ ۱۰ اپریل ۱۹۱۸ء کو بذریعہ ریا مسیح خداوند کی منادی سادھو بنکر شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے ذریعے سے کئی ایک روحیں بچ گئیں۔

گجرات میں سوامی جی کا کام

آپ بروز جمعرات یعنی ۲۹ مئی ۱۹۲۱ء کی شام کو گجرات میں تشریف لائے۔ اور اپنے عزیز بیٹے صاحب مسٹر جے ڈانیل سے ملاقات ہوئی اور آپ ہی کے بنگلے پر قیام کیا۔ دوسرے دن بروز جمعہ آپ اپنے عزیز بابل نمبر مسٹر دائن کی ملاقات کے کے لئے اُن کے دولت خانہ پر تشریف لے گئے اور مسٹر دائن نے اپنے پرانے شاگرد کو جو کسی زمانے میں مسیحی دین کا سخت مخالف تھا دیکھ کر اور وہ خوش ہوا۔ اس کے سوا اسی روز شام کی گاڑی اپنے گاؤں یعنی جنڈ اوالہ کو تشریف لے گئے۔ تاکہ اپنے والد ماجد کو جو ابھی تک غیر مسیحی ہیں تسلی دیں اور اپنے نجات دینے والے خداوند یسوع مسیح کا اُن کے روبرو ایک دفعہ پھر اقرار کریں اور انکو ہدایت سے آگاہ کریں کہ اُن کو فرزند ارجمند نے نجات کے ایک سیدھے راستے کو اختیار کیا ہے اور اُن سے درخواست کریں کہ وہ بھی اسی سیدھے راستے کو اختیار کریں۔

جب بروز سنیچر یعنی ۳۱ مئی کو پھر واپس مذکورہ میں قیام فرمایا اور دوسرے روز یعنی بروز اتوار اپنے سینٹ اینڈریوز چرچ میں مسیح کی عبادت کرائی اُن کا وعظ واقعی نہایت دلکش تھا اور سب لوگوں نے اس کے وعظ پسند کیا۔ بروز سوموار اپنے اپنے پرانے ہم جماعتوں کو (جو کہ حال ہی میں ٹیچرز کا کام سیکھتے ہیں) خداوند یسوع مسیح کی بابت باتیں بتائیں اور ان باتوں کا اثر اُن لڑکوں پر بہت ہوا اور تقریباً چار لڑکے مسیحی ہونے کے خواہشمند ہو گئے۔ بعد ازاں منگل کے دن آپ نے عورتوں کی میٹنگ کروائی آپ نے بہت اچھی طرح سے اپنے وعظ کو بہنوں کے سامنے پیش کیا اور بہنوں نے وعظ بہت پسند کیا۔ بروز بدھ اپنے پریئر میٹنگ جو کہ گرجے میں ہوتی ہے لی اور وہاں کا وعظ بھی نہایت دلچسپ تھا۔ دوسرے دن کی صبح آپ نے اپنے پرانے یعنی سکاچ مشن ہائی سکول میں تشریف لے جا کر لڑکوں کو بہت کچھ اپنی زندگی کے بارے میں بتایا! اور اپنے منجی کا بھی اظہار کیا۔ جمعہ کے روز آپ نے گجرات کے نوجوانوں کی کرسچن ایسوسی ایشن کی میٹنگ میں بھی نوجوانوں کو چند ایک نصیحتیں کیں سنیچر کو آپ نے ایک مسلمان آدمی کے ساتھ مذہبی گفتگو کی اور ایسی غیر مسیحی بھائی کے سوالات کو حل کیا اور امید ہے کہ اس بھائی کے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ہوا ہوگا۔ پھر اتوار کے دن آپ نے گرجے میں وعظ کی اور یہ وعظ بھی نہایت دلچسپ تھی۔ اور سوموار کے دن ایک مسیحی خاندان میں خداوند کا کلام سنایا! اور دوسرے دن بروز منگل آپ نے پھر عورتوں کی میٹنگ لی اور یہ وعظ سب سے اچھا اور زبردست تھا۔ غرضیکہ سوامی جی جتنے دن یہاں رہے آپ نے بہت سرگرمی کے ساتھ خداوند یسوع کی گواہی دی۔ اور اُن کی گواہی پر زور تھی۔ آخر میں یہ دعا ہے کہ خداوند آپ کو طاقت عنایت فرماوے تاکہ آپ خداوند یسوع مسیح کی طرف سے روحانی اور جسمانی طاقت کو حاصل کر کے اُس کے نام کو آگے کی نسبت دوچند سرگرمی اور جانفشانی سے لوگوں کے سامنے پیش کریں اور بہت سی روحوں کو بچانے کا باعث ہوں۔ آمین۔

المرقوم میسرئیل ڈانیل۔ گجرات

مہاتما گاندھی

گرچہ رمز عشق مگوئید دشوار

مشکل حکایتیست کہ تقریر میکنند

ایڈیٹر صاحب آپ نے بہ دستی مرکز ہوا۔ تمہیں بہت کوشش کی کہ خاموش رہیں۔ مگر آپ رہنے نہیں دیتے۔ جب ایک مسیحی بہن نے اخبار [illegible] میں ایک مضمون لکھا کہ مہاتما گاندھی عملی طور پر مسیحی ہیں۔ تب آپ نے مخالفت کی اور اب جبکہ حقانی سے ہندی اخبار لکھنے لگے کہ مسیح صفت گاندھی۔ تب آپ نے ہماری طرف توجہ کی کہ اور کہانے کے واسطے ہم آگے بڑھیں۔ صاحب یہ رموز عشق ہیں۔ ان کا منہ سے نکالنا مشکل۔ جو بولا وہ مرا۔ اس لئے آپ نہیں بولتے ہم کو بلاتے ہیں سے

مترجم اک عارفا سالک بکس نگفت

در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

بیٹے سنئے کان کھول کے۔ پھر مرحبا ہے فتویٰ دیجئے آپ نے جو فتویٰ دیا ہے وہ میں پہلے ہی قبول کر لیتا ہوں

بلھیا ہے تینوں کافر کافر آکھدی اور تی آہو آہو آکھ

ہمارا خداوند فرماتا ہے جو ہمارا مخالف نہیں ہماری

طرف ہے۔

رسول مقبول پولوس فرماتا ہے اگر نامختون شریعت کے حکموں پر عمل کرے تو کیا اُس کی نامختونی ختنے کے برابر نہ گنی جائیگی۔

کل دنیا میں سلویشن آرمی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ بپتسمہ اور عشاء ربانی نہیں لیتے۔ کیا آپ اُن کو عیسائی نہیں سمجھتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ماہور کے مسیحیوں کا کوئی جلسہ ایسا نہیں ہوتا جس میں سلویشن آرمی والے شریک نہ ہوں۔ کمشنر صاحب حصہ لیتے ہیں۔ ابھی اس دن ڈاکٹر یونگ کی روانگی کے جلسہ میں کمتی فوج کے کمشنر صدر نشین تھے۔ میرے جیسے آرڈین منسٹر خاک نشین تھے جس حال کہ آپ کمتی فوج کو مسیحی سمجھتے ہیں۔ اُن سے بیاہ شادیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن میں ایسے ایسے آدمی بھی ہیں جن کا چلن بہت ادنیٰ درجہ کا ہے۔ مہاتما گاندھی کو اگر مسیحی مان لیا جاوے تو آپ کے مذہب پر کونسا دھبہ لگتا ہے۔ جس حال کہ اُس کا چلن اُس کی زندگی ایک اعلےٰ مسیحی زندگی ہے۔ وہ کبھی مسیح کا مخالف نہیں ہوا۔ تو کیوں نہ اُس کو مسیحی مانا جاوے۔ کیا جب آپ ان انبیا سلف میں مسیح خداوند کا ذکر پڑھتے اور مہاتما گاندھی کو اُن کے ہم مذہب مسیحی کہتے۔ آپ کے دل میں جوش نہیں پیدا ہوتا۔

خوشتر آں باشد کہ سِرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

مہاتما گاندھی انسان ہے۔ غلطیاں اُس میں ہیں مگر جب اُس کو اپنی غلطی معلوم ہوتی ہے تو کس طرح اس کو قبول کرتا اور ایک حقیقی مسیحی کی طرح توبہ کرتا ہے کہ آپ فرما دیں کہ

وہ ان کو پرمیشن کی تعلیم دیتا ہے۔ عدم تعاون کی پیروی کرتا اور کرواتا ہے۔ یہ گناہ ایسا نہیں کہ انسان کو مسیحی ہونے سے روک دے۔ مسیحی بھی وقت پر ایسا کرتے ہیں۔ گیارھویں صدی کا ذکر ہے کہ جرمن کے بادشاہ ہنری چہارم جس کے ماتحت آسٹریا۔ اسپین فرانس اٹلی وغیرہ ممالک تھے۔ اُس نے کسی سبب سے اٹلی پر چڑھائی کر دی اور روم کو جا گھیرا۔ اصل میں بات یہ تھی کہ بادشاہ پوپ سے کسی وجہ سے ناراض ہو گیا تھا۔ پوپ کے محل کو گھیر لیا۔ فوج کو پہلے یہ معلوم نہ تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ پوپ کے خلاف جنگ ہے۔ تو تمام فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ کوئی بادشاہ کا حکم نہیں مانتا۔ خانگی ملازم کوئی کام نہیں کرتا۔ بادشاہ ایک فقیر کی حیثیت سے بھی بدتر ہو گیا۔ کھانے کو ترستا ہے نہ پینے کو۔ کیونکہ تمام مسیحی پوپ کے مرید تھے۔ اب بادشاہ لاچار ہوا تین دن اور رات پوپ کے دروازے پر ننگے سر اور ننگے پاؤں بیٹھا رہا۔ معافی مانگتا اور اپنی غلطی اور گناہ سے پچھتاتا رہا۔ آخر پوپ نے معافی دی تب تمام فوج نوکر چاکر تعاون کر کے بادشاہ کے خادم ہو گئے پھر ہنری بادشاہ بن گیا۔ مہاتما گاندھی کا عدم تعاون بادشاہ سے نہیں۔ ان حکام سے ہے جو ہندوستانیوں کو حقیر سمجھتے۔ اُس کا مقولہ ہر وقت یہ ہے کہ جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں ویسا ہی تم بھی ان کے ساتھ کرو۔ اگر آج حکام ایسا کریں۔ اگر آج مشنری ایسا کریں۔ تو پھر دیکھو کب آرام و چین ہوتا ہے مسیحی زمانہ دنیا میں آجائیگا۔

نے اُن سے گفتگو کی تو مجھے یہی معلوم ہوا۔ کیا معلوم یار کو ہم کون اور کیا پسند ہے۔ آپ ایک حیثیت سے کیوں مغرور رہیں گے۔

ز من بر آں گل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار ا شد
واجب الحفظ

پنڈتہ راما بائی

پنڈتہ راما بائی تو اس جہان سے چل گئیں مگر آپ کا نام تا ابد باقی رہیگا۔ آپ کی محنت کے بہت سے پھل موجود ہیں۔ ان میں سے ایک کے متعلق چند سطریں درج کرنا چاہتا ہوں راما بائی کی زندگی کے حالات تو کتابوں کے سفروں میں لکھے جا چکے۔ مگر زندہ درختوں کی عبارت و شہادت بھی دلچسپی و نصیحت و تلقین سے خالی نہیں ہوتی۔ جو زندگیاں اُس کی سعی سے موفق اور اس کے فیض سے اثر یافتہ ہوئی ہیں وہ ہند کی مسیحی زندگی کا بہترین نمونہ ہوں گی۔ کل یہاں مشنری مستورات کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی جس میں پرہیزگاری کے مضمون پر غور و خوض کیا گیا۔ جب سب سوچ و بچار ہو چکا تو وہ انگریزی مستورات نے جو راما بائی کی مددگار تھیں بیکے بعد دیگرے اُس کی روحانیہ زندگی۔ ایمان و انجیل خدمت کا بیان کیا۔ پنڈتہ سادہ طور پر کامل یقین کے ساتھ دعا مانگتی تھیں۔ بچوں کی مانند بھروسہ رکھتی تھیں اور پولوس کی طرح انجیل کے سنانے میں سرگرم تھیں۔ شاید کوئی آپ کی ہمیشہ دعاؤں۔ مستعد

میں تو گاندھی کو مسیحی سمجھتا ہوں جب میں

لے جہاں راما بائی اپنے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷ پر)

ایمان داری سے اعلیٰ زندگی کا نتیجہ تھے۔ اگر پنڈتہ دیسی کامل مسیحی تھیں تو آپ کی زندگی تو گویا بطور بھی ہندوستانی مسیحیوں کے لیے نمونہ تھا۔

چونکہ مجھے کینڈ گاؤں جانے کا موقعہ ملا۔ اس لئے یہ معذرت اپنے مشاہدے سے چند ایک حب وطنی و ترقیت کی تصدیق میں تحریر کرتا ہوں۔

دسمبر کا آخری ہفتہ تھا۔ مشرقی ہند میں موسم معتدل و خوشگوار تھا۔ میں مع اپنے ایک دوست کے صبح دس بجے کینڈ گاؤں پہنچا۔ دادا بابل اور سور بابل دونوں زندہ تھیں۔ اگرچہ ان دونوں سخت کاموں سے فراغت حاصل کئے ہوئے تھیں۔ جو لوگ پٹنہ سے ملنے جاتے تھے۔ وہ پہلے اطلاع کر دیتے تھے تاکہ ان کی رہائش و آسائش کا انتظام ہو جاوے۔ مگر ہم اطلاع کئے بغیر ہی پہنچ گئے۔ افسوس ہے ہماری بُری عادتیں پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ خواہ ہم کالجوں میں بھی تعلیم پائیں۔ اُنہی دنوں پٹنہ میں مسیحی طلبا کی کانفرنس ہو رہی تھی چنانچہ جنوبی ہند کے چند طالب علم بھی وہاں حاضر تھے۔ خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا گیا اور کشادہ دلی سے میزبانی کی گئی۔ کھانے کے انتظام میں آرام۔ بے تکلفی اور صفائی موجود تھی۔ خواہ کوئی کتنے دن وہاں ٹھہرے۔ کسی سے کھانے کا دام نہیں لیا جاتا۔ ہم سب کرسٹ چیون ٹوکنے ہوئے تھے۔ چنانچہ میز و کرسی کا دسترخوان بنا۔ چونکہ وہاں انگریز بھی اور ہندی بھی جاتے ہیں۔ سب کے لئے یکساں سامان مہیا ہوتا ہے۔ کھانا بے تکلف میز پر چنا گیا۔ مگر جملہ اشیائے خوردنی و سامان و دسترخوان سب سودیشی تھا۔ پیتل کانسی کی تھالیاں۔ گلاس کٹورے وغیرہ۔ کھدر کے تولئے و چادریں و کھانے کی ترکاریاں قسم قسم کی موجود تھیں۔ مکتی کی لڑکیاں جو سرتاپا کھدر پہنے تھیں ہماری میزبان تھیں۔

کھانا کھانے کے بعد ہم آرام کرنے کو اپنے اپنے کمروں میں گئے۔ کمروں کی بھی وہی کیفیت تھی سودیشی صاف و سادہ لیکن آراستہ تھے پرمنہ ہی لقمشی سے۔ پلنگ کی چادریں۔ تکیے۔ فرش کی دریاں سب چھوٹا موٹا سامان سودیشی۔ شاید کنتی ہی کا بنا ہوا تھا۔ اتوار کا دن تھا۔ عبادت میں شریک ہونے کا موقعہ ملا۔ کنتی کا گرجا گھر بہت وسیع و عجیب عمارت ہے۔ جس وجہ سے عمارت ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ کئی ہزار کی تعداد میں لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔ گرجا گھر کے فرش پر چٹائیاں اور ٹاٹ تھے۔ اور ان پر دریاں بچھی تھیں۔ کہیں کہیں تخت اور چوکیاں اُستانیوں کے لئے لگی ہوئی تھی اور صرف ایک بنچ تھی جو مہمانوں کے لئے مخصوصاً رکھی گئی تھی۔ قریباً بارہ سو لڑکیاں اور بچیاں مع چھوٹے لڑکے پاس ہمارے فرش پر بیٹھے۔ ان کے ستھرے سوتی اور اُونی سودیشی سادھے صاف رنگین۔ کھدر کے کرتے و پاجامے سفید تھے۔ پرلے درجہ کی سادگی نمایاں تھی یہاں تک اس حد کی تھی کہ پنڈتہ اور اس کی نیک دل بیٹی دیگر اُستانیوں کی طرح معمولی تختوں پر بیٹھیں۔ پادری صاحب جو منبر پر کھڑے وعظ سنا رہے تھے بہت سادہ لباس پہنے تھے اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ عبادت کرتے تھے۔ چونکہ گانا اور لیکچر مرہٹی زبان میں ہو رہے تھے۔ ہم کچھ نہ سمجھ سکے مگر عبادتی روح سے متاثر ضرور ہوئے۔ عبادت کے وقت سب خاموش و عجز و ادب سے بیٹھے تھے۔ اختتام عبادت پر چپ چاپ باقاعدہ کلیسیا برخاست ہوئی ہم جو عزت کے مہمان تھے۔ اس مشرقی طرز۔ سودیشی سپرٹ اور روحانی آب و ہوا کو محسوس کرکے بےساختہ تحسین کے کلمے پڑھنے لگے۔

عبادت کے بعد ہم نے مکتی مشن کا مفصل معائنہ اور مشاہدہ کرنا چاہا۔ کام سب بند پڑے تھے۔ مگر ہماری خواہش کو پورا کرنے کی غرض سے معمول کے خلاف بھی تمام کرے مختلف حصے۔ پرنٹنگ مشین کھلیں۔ دستکاری کے ہتھیار۔ دستکاری کی مصنوعات و دیگر موجودات سرسری طور پر دکھائی گئیں۔ جن کو لڑکیاں خود کرتی ہیں۔ اُن کی تعلیم و تربیت کو در حقیقت نیشنل کہہ سکتے ہیں۔ اُن کا تمام وقت پیشے کے دھندوں میں ہی نہیں کٹتا۔ ہر اتوار کو وہ ارد گرد کے گاؤں میں منادی کرنے جاتی ہیں۔ اور اپنے چھاپے ہوئے ٹریکٹ تقسیم کرتی ہیں۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اپنے جی میں کہا کہ ٹیگور کی یونیورسٹی مہاتما گاندھی کی حب الوطنی اور پنڈتہ کی خدمت انسانی سب یہاں موجود ہیں۔

خدا کرے کہ ایسی نیک نہاد۔ پرہیزگار۔ ایماندار محب وطن حقیقی مسیحی عورتیں ہندوستان میں بےشمار پیدا ہوں۔ تاکہ ہماری قوم موجودہ پست حالت سے نکلے۔ اور جلد سچائی کا زمانہ آئے۔

زائر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷ کالم ۳ سے آگے)

بڑے خاندان کے ساتھ رہتی تھی۔ اُسے کنتی کہتے ہیں۔ یہ موضع کینڈ گاؤں سے قریب ۲۰ میل پٹنہ سے جنوب کو واقعہ ہے۔



ہری داسی

گذشتہ سے پیوستہ۔

رامیشور۔ تمہارا باپ کچہری جایا کرتا ہے۔

باباں چرن۔ میں نہیں جانتا ہوں۔

رامیشور۔ تمہارا باپ رات کو کس کوٹھڑی میں سوتا ہے۔

باباں چرن۔ باپ ہمارے گھر میں نہیں آتا۔ کبھی کبھی آتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

رامیشور۔ وہ کیا کرتا ہے۔

باباں چرن۔ میں نہیں جانتا

رامیشور۔ تمہاری بیٹھک میں کیا اب لوگ نہیں آتے

باباں چرن۔ دن کو ہم تینوں بھائی وہاں کھیلا کرتے ہیں۔ رات کو بہت لوگ آتے ہیں اور ناچتے اور گاتے ہیں

رامیشور۔ تمہارے پاس کتنے جوڑے کپڑے ہیں۔

باباں چرن۔ یہی ایک جوڑا۔

شاماں چرن بیٹھا ہوا کھڑکیوں سے کہیں رہا تھا کپڑوں کی بات سن کے کہہ اٹھا کہ میرا ایک اور تھا جسے اس نے گرو کر دیا ہے۔

رامیشور۔ تم جوتا نہیں پہنتے۔

باباں چرن۔ نہیں جو تھا وہ پھٹ گیا۔

شاماں چرن۔ ہے تاتا مجھ کو جوتا دے۔ رامیشور نے اس کو گود میں اٹھا لیا اور اس کا منہ چوم کے کہا کہ میں جوتا اور کپڑا دونوں دونگا۔

باباں چرن۔ مجھ کو بھی دینا۔

رامیشور۔ تجھ کو بھی دونگا اور تم کو کلکتے لے جاؤنگا۔

شاماں چرن۔ تاتا میں بھی تیرے ساتھ جاؤنگا۔

رامیشور۔ تو بھی جائیگا۔ تمہاری ماں اور تمہارا چھوٹا بھائی بھی جائیگا۔

باباں چرن۔ کیا باپ بھی جائیگا۔

رامیشور نے اس بات کا جواب نہیں دیا اور پھر پوچھا تم صبح صبح کیا کھاتے ہو۔

باباں چرن۔ میں پوری کھاتا ہوں مجھ کو ماں دیتی ہے۔

شاماں چرن۔ میں موڑی کھاتا ہوں۔

رامیشور۔ سندیش کیوں نہیں کھاتے۔

باباں چرن۔ ماں نہیں دیتی ہے۔

شاماں چرن۔ تاتا میں سندیش کھاؤنگا۔

رامیشور۔ اچھا کل صبح سندیش دونگا۔ کیا تم دودھ پیا کرتے ہو۔

باباں چرن۔ ماں ہم کو نہیں دیتی۔ کیوں کہ چھوٹے بھائی کو رہتا ہے۔ ہم لوگوں کو ایک دوسری چیز دیتی ہے۔

رامیشور۔ وہ کون سی چیز ہے۔ بتاؤ تو سہی۔

باباں چرن۔ جب بھات پک جاتا ہے تب سفید سفید گرم پانی نمک ملا کے پینے کو دیتی ہے۔ کل تم کو بھی دونگا۔

رامیشور۔ یہ سن کے چپ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ تھوڑی دیر میں دونوں لڑکے سو گئے۔

ہری داسی کے دونوں کپڑے اب گئے تھے اور اُن کا دام مل گیا تھا۔ اس نے اس سے چھل اور ترکاری بازار سے منگوا کر پکائی۔ بہت دنوں سے اس نے اپنے باپ کے پاس بیٹھ کر اس کو کھانا نہیں کھلایا تھا۔ اب اس کو گذشتہ دنوں کی باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ ان سب باتوں کا خیال کر کے دل میں کہنے لگی کہ دنیا میں میرے بڑے سکھ کے دن تھے۔ نیک خاوند ملا تھا۔ وہ مجھے پیار بھی کرتا تھا۔ میں بھی اسے پیار کرتی تھی۔ میں اب بھی تک پیار کرتی ہوں۔ لیکن میرا خاوند بالکل بگڑ گیا ہے۔ ہائے سکھی ہو کر میں دکھی بیٹھی ہوں۔ کس گناہ سے میری یہ حالت ہوئی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میری یہ حالت کیوں ہوئی ہے۔

ہرنیدہ تاڑ گیا تھا کہ ہری داسی کے پاس کچھ نہ کچھ روپیہ موجود ہے۔ اس لئے وہ اس کے ہاتھ سے روپیہ لینا چاہتا تھا۔ ہری داسی تو روپیہ دے دیتی۔ مگر یہ خیال کرکے کہ وہ جوئے میں اڑا دیگا روپیہ دینا نہیں چاہتی تھی۔ گذشتہ رات جب ہری داسی نے روپے نہیں دیئے تھے تو ہرنیدہ نے اس کو مارا پیٹا تھا۔ مگر آج ہری داسی یہ خیال کرکے کہ میرے باپ کے سامنے مار پیٹ کرے گا بہت ڈرتی تھی۔ ہری داسی دل ہی دل میں ایشور سے یہ دعا کرتی تھی کہ آج ہرنیدہ بغیر شراب پئے گھر آوے اور مار پیٹ نہ کرے۔

کھانا پکاتے پکاتے بڑی رات ہو گئی۔ رامیشور تھکا ماندہ سو گیا تھا۔ ہری داسی نے اس کو جگا کر کھانے پر بٹھایا۔ کھانا کھانے کے وقت رامیشور نے کہا کہ میرے لئے تو بہت چیزیں پکائی گئی ہیں۔ پر ایک چیز تم نے نہیں دی۔ ہری داسی نے کہا کہ کون سی چیز۔ رامیشور نے کہا کہ دودھ کے جیسے ہر روز بھات کی ہانڈی میں سے ڈال کے جیسے سفید چیز نمک ملا کر لڑکوں کو دی جاتی ہے۔ وہ چیز کہاں ہے! ہری داسی چپ ہو گئی۔ رامیشور نے پھر کہا کہ میں کلکتے میں دودھ گھی اور سندیش کھایا کرتا ہوں۔ اور تم لڑکوں کو کھانے کی اتنی تکلیف ہے۔ ہری داسی نے پھر بھی کچھ نہ کہا۔ رامیشور نے پھر پوچھا کہ ایسا حال کیوں ہوا ہے ہری داسی نے آہستہ آہستہ کہا کہ شراب پینے

کا یہ پھل ہے۔ اب میں اپنے بچوں کو دونوں وقت کھلا نہیں سکتی۔ اس کے بعد اور بھی باتیں ہوئیں تب راجپوت نے کہا کہ میرے ساتھ گلے چل بیبی باتیں ہو رہی تھیں کہ ہرنندہ دروازے پکڑا ہوا ہری داس کا نام لیکر پکارنے لگا۔ اس کی آواز سنتے ہی ہری داسی سمجھ گئی کہ ہرنندہ پی کے آیا ہے ہری داسی نے فوراً اٹھ کے دروازہ کھول کے ہرنندہ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر کہنے لگی کہ میرا باپ آیا ہے شور و غل مت کرو۔ (باقی واقعہ)

ایشیا

شملہ ۱۹ مئی کی خبر ہے کہ مان سون شمال کی طرف بڑھ رہی ہے۔ برہما کے جنوب میں بھی بارش شروع ہو گئی۔ مغربی مان سون سے بھی شمال میں بارش ہوئی ہے۔ جو مشرق کی طرف چل گئی ہو گویا کہ ۲۰ مئی کی خبر ہے کہ وہاں پر عدم تعاون اصحاب کے کام کا زور ہے۔ پکٹنگ کا کام ترقی پر ہے کپڑا بیچنے والے دوکانداروں کی مشکلیں بڑھ رہی ہیں۔

بمبئی ۲۰ مئی کی خبر ہے کہ مالا باری موپلہ بغاوت کی تحریک مالا باری ہندوؤں کی طرف سے خیال کی جا رہی ہے۔ مسٹر سنگرن نائر کی تحقیق میں یہ بات آئی ہے کہ ہندوؤں نے اُن کو سوراجیہ اور خلافت کیلئے تیار رہنے کو اکسایا۔ موپلوں نے سمجھا کہ محمدی خود مختار ریاست مالا بار میں قائم ہونے والی ہے۔ لہذا موپلہ لوگ بغاوت کر بیٹھے۔

ڈھاکہ کی خبر ہے کہ وہاں کھدائی کرتے ہوئے مزدوروں کو ایک پیتل کی توپ ملی۔ جو ڈھاکہ کے عجائب خانے میں رکھی گئی۔ سبب اس سے

خوب صاف کیا گیا تو اس پر فارسی عبارت کندہ پائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ توپ مذکورہ دہلی کے شہنشاہ فرخ شاہ کی ہے۔

الہ آباد کی خبر ہے کہ یہاں پر ٹمپریچر ۱۱۷ درجے تک ہے۔ گرمی سخت ہے۔

پچھلے سنیچر کے روز لکھنؤ میں نہایت سخت آندھی آئی۔ لوگ گرد و غبار سے تنگ آ گئے۔

پالگھاٹ۔ ۱۹ مئی کی خبر ہے کہ وہاں گورنمنٹ مدراس نے ۱۳ ہاتھی نیلام کئے۔ سب سے زیادہ ہاتھی مہاراجہ بھرت پور نے خرید کئے۔ گورنمنٹ نے ۹۴۰۰۰ روپیہ وصول کئے۔

گورنمنٹ بمبئی نے صوبہ بمبئی کے جیلخانوں سے سات سو قیدی رہا کر دیئے جن میں ۱۶ قیدی شہر بمبئی کے ہیں۔

پشاور۔ ۲۰ مئی کی خبر ہے کہ سوار دو رکھنے پولیس نے گل نامی ایک عرب کو گولی سے اڑا دیا جس نے دو سال سے کوہاٹ اور بنوں کے علاقوں کو خوفزدہ بنا رکھا تھا

شنگھائی ۲۱ مئی کی خبر ہے کہ جاپانی جہاز کیوزارو اور ونگرلا پی اینڈ او دونوں ٹکرا گئے۔ ونگرلا کو سخت صدمہ پہنچا۔ وہ شنگھائی کو ورٹ آیا۔

بمبئی۔ ۲۰ مئی کی خبر ہے کہ وہاں لارڈ ہارڈنگ کی یادگاری کا بت کھولا گیا۔ لارڈ ریڈنگ نے دستخط کرا دیا۔

یورپ

آئرلینڈ کی آزادی اب تک رنگ لا رہی قتل اور خونریزی اب تک جاری ہے۔ کبھی جنگ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی مدھم ہو جاتی ہے۔ اب تک آئرلینڈ کی آزادی کے سمندر میں امواج پیدا ہیں۔ امن و سلامتی کا کنارا دور معلوم ہوتا ہے۔

گذشتہ سنیچر کے روز مصر نامی پی اینڈ او جہاز غرق ہو گیا ہے۔ بریسٹ سے ۲۰ میل کے فاصلے پر غرق ہوا۔ ۱۵ مسافر اور ۹۰ ملاح گم ہو گئے ہیں۔ فرانسیسی جہاز نے مدد کی بہت لوگوں کو سمندر میں سے بچایا۔

بعد کی خبر ہے کہ مصر نامی جہاز کی غرقابی کے ساتھ تمام پارسل گم ہو گئے اور ۳۰ یورپین ملاح گم ہیں۔ یہ جہاز کسی دوسرے جہاز سے ٹکرا کر ڈوبا ہے جو بچ گئے ہیں وہ دردناک قصہ بیان کرتے ہیں۔

جرمن لوگ خیال کرتے ہیں کہ معزول قیصر جرمن نے دو غلطیاں کی ہیں۔ ایک غلطی یہ تھی کہ اس نے انگریزی فوج کا درست اندازہ نہ لگایا تھا۔ دوسری غلطی اس کی یہ تھی کہ وہ ہالینڈ کو بھاگ گیا۔ یہ بات یقینی تھی کہ اس کا جرمنی میں پر پہنچ جاتا کا قائم جب وہ ہالینڈ کو چلا گیا تو اس کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اس کے پاؤں مٹی کے تھے۔

لندن ۱۱ مئی کی خبر ہے کہ ہوس آف لارڈس نے ۲۰ خلاف اور ۲۸ موافق ووٹوں سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ لیڈی رہنڈا کی درخواست کو ہوس آف لارڈس میں ایک سیٹ کے لئے نامنظور کیا ہے

افریقہ

دہلی ۱۹ مئی کی خبر ہے کہ ممباسا میں ۲۳۳ء۲۵ انچ بارش ہوئی ہے سنہ ۱۹۱۶ کی اس سے بارش حساب سے بڑا انظر آیا ہیں آیا تھا وہ ۲۵ء ۴۰ انچ کا تھا

(ویلیٹا) مضمون مسلسل صفحہ سے آگے) اور اس کو اتنی مہارت ہے کہ اپنے کپڑے خود ہی سی کر پہنتی ہے اکتوبر ۱۹۱۸ء میں وہ بالکل بہری ہو گئی اور ایک سال بعد اس کی آنکھیں بھی جاتی رہیں۔ ۱۹۲۱ء کو موسم گرما میں اس کی ایک استانی نے اُن کو مجبور کیا کہ سننے کے طریقہ کو اختیار کرے جیسے بولنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس سے بات چیت کر سکے لیکن ویلیٹا نے جواب دیا کہ وہ لوگوں کے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھنا پسند نہیں کرتی۔

جب استانی کو معلوم ہوا تو اس نے ایک اور ترکیب کی تجویز نکالی جو لوگوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر اُن کی باتوں کو سمجھ سکتی تھی۔ اور ساتھ ہی استانی نے ویلیٹا کو یہ بھی بخوبی سمجھا دیا کہ بولنے سے انسان کی ہڈیاں حرکت کرتی ہیں۔ اور یہ ممکن ہے کہ حلق کی ہڈیاں سر کی ہڈیوں کے مقابلہ میں زیادہ حرکت کرتی ہوں۔ اس لڑکی نے آخرکار اس طریقہ کو اختیار کیا اور لوگوں کے سر چھاتی اور پیٹھ پر ہاتھ رکھنے سے وہ بات چیت بخوبی سمجھنے لگی۔ اس وقت اس کی طبیعت بالکل بدل گئی۔ اس کا چڑچڑاپن بالکل جاتا رہا۔ اور وہ نہایت خوش مزاج ہو گئی ویلیٹا کی ذہانت میں ایک اعلیٰ درجہ کی تبدیلی ہو گئی پہلے وہ زائل ہو رہی تھی جس سے وہ سست رہتی تھی۔ لیکن اب وہ ہر وقت کام کاج میں لگی رہتی ہے۔

ویلیٹا کی ذہانت کا تجربہ دنیا کے لئے بلحاظ علم نہایت مفید ہے اور اس سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے بچے اپنے ماں باپ اور مدرسوں کی غلطیوں کی وجہ سے بے زیادہ تکلیف میں مبتلا رہتے ہیں۔ تقریباً ہر ملک کے مدرسوں میں ایسے نااہل معلم موجود ہیں جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کند ذہن ضدی اور بدمزاج ہیں اور یہ خیال ان کو محض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ بچوں کی جسمانی حالت ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتی جن کی تربیت میں ان بچوں کو سپرد کیا جاتا ہے ویلیٹا کی حالت سے یہ سبق لیا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ بچے میں کس قسم کی قوتیں موجود ہیں۔ آیا وہ بات کر سکتا ہے سن سکتا ہے۔ دیکھ سکتا ہے چھو سکتا ہے اور ان میں کس قدر تبدیلیاں واقع ہو سکتی ہیں۔ کیا چھونے اور سونگھنے کی قوتیں اس سے زیادہ کام کر سکتی ہیں۔ جیسا کہ ہم خیال کر بیٹھے ہیں یا اس ہی پر اکتفا کیا گیا ہے کہ ہر ایک انسان کی خوشی کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ بخوبی گفتگو کر سکے۔

ویلیٹا کی ان باتوں سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعض قوتیں زائل ہونے پر بھی اپنا کام دوسری قوتوں سے لے سکتی ہیں۔ اگرچہ ویلیٹا اپنی آنکھوں کے ذریعہ کچھ نہیں دیکھ سکتی لیکن ان کے ذریعہ سے وہ کچھ حرکت محسوس کرتی ہے جو اس کے لئے الفاظ کا کام دیتی ہیں۔ وہ یہ تو واضح طور پر بیان نہیں کر سکتی کہ اس جنبش کو وہ لفظوں کا جامہ کیونکر پہنا دیتی ہے۔ اس میں یہ ایک قدرتی وصف ہے جس کا اس کو علم نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق سننے کی قوت کے ساتھ ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر انسان کو علم موسیقی میں کچھ لطف نہیں آ سکتا۔

انسان کی زندگی اس وقت مفید ہے۔ جبکہ وہ کسی کام میں مشغول رہ کر خوش رہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ویلیٹا کے جی بہلانے کا یہ ایک مشغلہ ہے جس میں وہ ہر وقت مشغول رہتی ہے۔ اس کی بڑی دلچسپی سینے پرونے میں ہے۔ اور وہ مشین کو خوب تیزی سے چلا سکتی ہے۔

از مسز اے۔ ایم ووڈ

غزل

دیکھئے کب ہماری آرزو بر آئیگی
اور کب اُمید کی قدرت مجھے دکھلائیگی
دم گھٹا جاتا ہے میرا انتظارِ یار میں
آرزو ہے وہ دیکھیں کب خبر لائیگی
تو لبیں پردہ ہوا پیاں بڑھتا چلا جوشِ جنوں
یا الٰہی دل کی حسرت کب نکل جائیگی۔
اُس گھڑی راحت نہیں ہوگی خواب میں مدعو
جب خبر دلدار کے آنے کی راہن پائیگی
عید اہل دین ہیں سب بھڑے ہوئے سمجھائیگی
ہر سرگل حد میں بیل غزل یہ گا گئی
ساتھ غلام دین ۔ مسیحی فیروز پور گل۔

پنجابی مسیحی

یہ کتاب حال ہی میں زبان اردو میں چھاپی گئی ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں دیوان لال سنگھ صاحب کے مسیحی ہونے کا بیان ہے۔ دوسرے میں ۲۰ مختلف طریقے غیر مسیحیوں کو کلام سنانے کے ہیں جو ہر مسیحی کے مسیحی خادموں کے لئے مفید ہیں۔ قیمت فی جلد ۸

منگوانے کا پتہ
پادری غلام مسیح صاحب پاسٹر
شہر سیالکوٹ

انگلستان اور ویلز کی ریلوے لائنوں نے مال کی آمد و رفت پر محصول میں تخفیف کر دی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس سے تجارت کو ترقی ہوگی۔

ضرورت ہے

نیوزیلینڈ مشن جگادھری ضلع انبالہ کے ہسپتال کے لئے دو نرسوں کی جو سرٹیفکیٹ رکھتی ہوں۔ ان میں سے ایک مڈوائفری کا بھی سرٹیفکیٹ رکھتی ہو ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہم امیدواروں کی ضرورت ہے جو ٹرینگ و تعلیم حاصل کرینگی۔ اپنی اپنی درخواستوں کے ساتھ کام و لیاقت کی چٹھیوں کی نقلیں پتہ ذیل پر روانہ فرمائیں۔

المشتہر

مس ایچ۔ اے اسولا مشن ہسپتال
جگادھری پنجاب

بیرنگ ہائی سکول بٹالہ

یہ سکول عرصہ دراز سے مسیحی لڑکوں کی دینی اور دنیاوی تعلیم کے لئے جاری ہے۔ شہر سے تقریباً ایک میل باہر ایک پُرفضا اور صحت افزا مقام پر واقع ہے۔ اس کے متعلق ہوادار بورڈنگ ہاؤس۔ خوشنما اور فراخ کھیل کا میدان لڑکوں کے غسل کے لئے ایک خوش وضع تالاب اور عبادت کے لئے گرجا گھر۔ جماعتوں کے لئے موزوں اور کافی کمرے ہیں۔ سکول کے ماسٹر صاحبان لائق اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ چند لڑکوں کے داخل ہونے کی گنجائش ہے لہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ داخل ہونے والے طلبا پتہ ذیل پر درخواستیں بھیجیں۔

المشتہر

پرنسپل بیرنگ ہائی سکول
بٹالہ۔ ضلع گورداسپور

ضرورت ہے

ڈسپنسری مشن فیض آباد کے لڑکیوں کے ہائی سکول میں چند استانیوں کی ضرورت ہے سکول گورنمنٹ ملاحظہ کی مدد کے اندر ہے۔ درخواست کنندگان کو چاہیئے کہ وہ اپنی اپنی درخواستوں کے ساتھ اپنے علم و تجربہ کی چٹھیوں کی نقلیں بھی روانہ کریں۔ المشتہر۔

جی بیلیک پرنسپل گرلس ہائی سکول فیض آباد یوپی۔

کرسچن بُک سٹور لودیانہ

اردو کی پہلی کتاب	۲	اردو پنجابی پرائمر	۱ر
۔ دوسری	۔	تیرہ ۔ اسلام میں مسیح	۱ر
صحت جسمی ہو تریفہ	۱ر	ینابیع الاسلام	۳ر
مسئلہ التخلیق	۲	ویدوں کی اصل	۳ر
مرادالمستقیم	۔	دو سوال	۳ر

ملنے کا پتہ۔ منیجر کرسچن بک سٹور لودیانہ

دستور العمل نور افشاں

سالانہ قیمت ہندوستان کے حدود کے اندر ۳ے
۔ غیر ممالک سے ۴ے

قیمت بہرحالت میں پیشگی لی جاتی ہے

شرح اُجرت اشتہارات

مقدار اشتہار	سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
کالم کا ایک انچ	۳ر	عہ	عہ
چوتھائی کالم	عہ	عہ	للعہ
نصف کالم	عہ	للعہ	سعہ
پورا کالم	للعہ	سعہ	۱
پورا صفحہ	۱	۱عہ	۱۵

سال سے کم عرصے کے لئے ہر ایک اصطلاحی سطر ۲ر۔ لیکن کسی مشتہر کے لئے ۸ روپیہ سے کم نہ لیا جاویگا

کرسچن بوائز بورڈنگ سکول لودیانہ

سنہ ۱۸۸۵ء سے قائم ہے

یہ بورڈنگ مسیحی لڑکوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کے لئے بہت عرصے سے جاری ہے۔

مشن بورڈ نے ابتدائی تعلیم کو اعلیٰ اور مکمل بنانے کی غرض سے یکم اپریل سنہ ۱۹۲۳ء سے تین جماعتیں لوئر پرائمری کی ایک امریکن خاتون کی زیر نگرانی کر دی ہیں اس سے چھوٹے بچوں کی تعلیم کا انتظام بخوبی ہو جاتا ہے حسب حال کے طالب علم برائے حصول تعلیم کرسچن ہائی سکول میں داخل ہوتے ہیں۔

خرچ خوراک لوئر پرائمری فی طالب علم چھ روپیہ اور اپر پرائمری سے ہائی تک سات روپیہ ماہوار ہے کلاس فیس سکول کی فیس کا نصف ہے۔ متفرق خرچ اخراجات کے لئے ڈیڑھ روپیہ ماہوار فی طالب علم ہے۔ کتابوں کی قیمت اور سٹیشنری اس کے علاوہ ہے اس سکول میں ہر قسم کا فرنیچر مثلاً میز کرسی الماری وغیرہ بھی تیار ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں جن رکشا اور ٹانگے کر ایہ پر مل سکتا ہے۔ مزید حالات پرنسپل صاحب سکول سے دریافت ہو سکتے ہیں۔

مژدہ

منیجر نور افشاں کی طرف سے مشتہر کیا جاتا ہے کہ جو خریدار ایک نیا خریدار نور افشاں بنا کر اس کا چندہ منیجر کے دفتر میں بھیجے اور ان کے نام پر نور افشاں کم از کم ایک سال کے لئے جاری کرا دے تو ایسے خریدار کو ایک ماہ مفت اخبار دیا جائیگا۔

منیجر نور افشاں

پادری ڈبلیو جے کلارک صاحب ایم۔ اے منیجر نور افشاں ایڈیٹر۔ روڈ لاہور کے لئے پنجابی پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوان چند صاحب پرنٹر چھپا